دُوسرے سالانہ

محاضراتِ قرآنی کی اجمالی رپورٹ

از قلم : ڈاکٹر عبد السمیع

لاہور میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام تیسری سالانہ محاضرات قرآنی بیکم تا چھ اپریل ۱۹۸۲ء منعقد ہوئی۔ اس کا افتتاحی اجلاس تو جمعہ یکم اپریل کو صبح ۹ بجے مسجد دار السلام باغ جناح میں منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا سید وصی مظہر ندوی صاحب سیٹر حیدر آباد نے فرمائی۔ اس افتتاحی اجلاس کی صدارت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ نے کرنی تھی، لیکن وہ علالت کے سبب تشریف نہ لا سکے۔ البتہ موصوف نے ازراہ لطف و کرم اور تعاون مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم پر اپنا ایک تحقیقی مقالہ محاضرات میں پیش کرنے کے لیے بھیج دیا تھا جو آخری اجلاس میں پڑھ کر سُنایا گیا۔ اور اس میں جامعہ علی گڑھ سے بطور خاص تشریف لائے ہوئے ڈاکٹر قاری رضوان اللہ صاحب، پروفیسر حافظ احمد یار صاحب، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب، مولانا محمد متین ہاشمی صاحب، اور مولانا گلزار احمد مظاہری صاحب نے عظمت قرآن کے موضوع پر اپنے وقیع خیالات کا اظہار فرمایا۔

دو اپریل سے چھ اپریل تک کے تمام اجلاس جامع القرآن قرآن اکیڈمی میں بعد نماز مغرب منعقد ہوئے۔ ان کی مختصر رپورٹ حسب ذیل ہے:

پہلا اجلاس محاضرات قرآنی کا پہلا باقاعدہ اجلاس مورخہ دو اپریل زیر صدارت علامہ سید غلام شبیر بخاری صاحب منعقد ہوا۔ سب سے پہلے پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب نے قرآن مجید کی خصوصیات کے

موضوع پر اپنے مخصوص انداز میں خطاب کر کے حاضرین کو نہ صرف معلومات فراہم کیں بلکہ ان کے لیے لطافت کا سامان بھی پیدا کیا۔ اس کے بعد مولانا سید وصی مظہر ندوی صاحب نے "وحدتِ ملی اور قرآن حکیم" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس موضوع کے تین مقصود ہو سکتے ہیں اولاً یہ کہ قرآن مجید میں وحدت ملی کے احکام کیا ہیں دوسرے یہ کہ قرآن کے ہوتے ہوئے وحدت کیوں نہیں ہے اور تیسرے یہ کہ ہم قرآن کے ہوتے ہوئے وحدت کیونکر حاصل کر سکتے ہیں۔ اول الذکر یعنی قرآن مجید ہمیں کیا تعلیم دیتا ہے۔ اس کے ضمن میں انہوں نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ سب حضرات اس سے واقف ہیں مگر اس کا اعادہ بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا اس لیے کہ کب موسم موزوں ہو اور دل کی بستی میں بہار لے آئے اس ضمن میں مولانا موصوف نے قرآن مجید کی متعدد آیات کا حوالہ دیا جن میں وہ بھی تھیں جن میں مثبت طور پر اہلِ ایمان کو بھائی بھائی، دوست اور ولی قرار دیتے ہوئے امتِ مسلمہ کو ایک وحدت بتایا گیا ہے اور وہ بھی جن میں امت میں تفرقہ ڈالنے سے منع کیا گیا ہے اور جن میں مختلف سطحوں پر نواہی مذکور ہیں۔ مثلاً انسانوں کے دلوں کو پھاڑنے والی باتیں یعنی غیبت، تمسخر، بدظنی، تجسس وغیرہ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہیں اور مسلمانوں کے دو فریقوں کے مابین جھگڑے کی صورت میں اسلامی ریاست اور امت کے ہر صلح پسند کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاً ان میں صلح کرائے اور اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو پھر زیادتی کرنے والے کے خلاف اقدام کرے۔ یہاں تک کہ وہ ہتھیار ڈال دے۔ اسی طرح آپ نے ان آیات کا بھی حوالہ دیا جن میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے قتل کے درپے ہونے کی مذمت کی گئی ہے اور ان کا بھی کہ جن میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ باہمی تنازعہ نہ کرو ورنہ تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ اس سلسلے میں موصوف نے ایسی کئی آیاتِ قرآنیہ کا ذکر فرمایا جن میں اسلام کے دشمنوں سے دوستی رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

موصوف نے موضوعِ سخن کے دوسرے مقصود کی طرف آتے ہوئے فرمایا کہ اب مسئلہ یہ ہے کہ جب قرآن ہم میں موجود ہے تو کیا وجہ ہے کہ مسلمان منتشر

ہیں۔ اس کے اسباب یہ ہو سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ہر صاحب رائے سمجھتا ہے کہ میری رائے سب سے زیادہ صحیح ہے۔ ہر صاحبِ فہم کو اپنے فہم قرآنی کو پورے زور و شور کے ساتھ پیش کرنے کا بھی حق ہے مگر واجب الایمان قرار دینے کا ہرگز اختیار نہیں ہے۔ اس کا دوسرا سبب بدعات ہیں۔ بدعت دین کو خراب کرنے والی سب سے بڑی چیز ہے۔ اسی لیے اس کو شرک کے بعد سب سے بڑی بُرائی قرار دیا گیا ہے اور اس کی تیسری وجہ ناقابل استناد روایات پر مدار ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اختلاف کا ایک سبب سیاسی ہے جو اس وقت ان کی گفتگو کا موضوع نہیں۔ موضوع کے تیسرے مقصود کی طرف آتے ہوئے ندوی صاحب نے سب سے پہلے یہ واضح فرمایا کہ قرآن وحدتِ ملی کی اساس کس حیثیت میں ہے۔ آپ نے پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کی تقریر ہی کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ قرآن اصلیت GENUINENESS استناد AUTHENTICITY اور تمامیّت INTEGRITY رکھتا ہے لہٰذا ایسی کتاب ہی بنائے اتحاد بن سکتی ہے۔ ملت اس کو صرف اسی حیثیت میں نہیں مانتی کہ یہ کتاب ہمیں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا کی گئی تھی بلکہ اس کو کلام اللہ بھی مانتی ہے لہٰذا اگر ہم مسلمانوں کو پھر جوڑنا چاہتے ہیں تو اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم انہیں قرآن کی طرف بلائیں مگر اس میں دو شرائط ملحوظ خاطر رہیں۔ پہلی یہ کہ قرآن مجید کا وہی مفہوم معتبر ہو گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ ثابتہ کے مطابق ہو گا۔ اور جو درحقیقت قرآن ہی کا جزو ہے۔ اور دوسری یہ کہ تواتر کے ساتھ امت نے قرآن مجید کا جو مفہوم سمجھا ہے اس کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

پروگرام کے مطابق آج کے اجلاس کے تیسرے مقرر ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ صاحب تھے مگر وہ گھر میں خوتیدگی کے باعث تشریف نہ لا سکے۔ آج کے چوتھے مقرر چوہدری مظفر حسین صاحب بھی بوجہ علالت تشریف نہ لا سکے۔ مگر انہوں نے اپنا مقالہ بعنوان "علامہ اقبال کا تصور لا الٰہ" ہمیں ارسال فرما دیا جس کو پڑھنے کا فرض راقم الحروف نے ادا کیا۔ اس مقالے میں چوہدری صاحب نے علامہ مرحوم کے

حوالے سے کلمۂ طیبہ کے جزوِ اوّل کو نظریۂ زندگی اور اس کے جزوِ ثانی کو طرزِ زندگی قرار دیا۔ آخر میں صاحبِ صدر نے خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔

دوسرا باقاعدہ اجلاس

محاضراتِ قرآنی کا دوسرا باقاعدہ اجلاس زیرِ صدارت پروفیسر خواجہ غلام صادق صاحب چیئرمین بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن لاہور مورخہ ۳؍ اپریل ۸۳ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے پہلے مقرر پنجاب یونیورسٹی شعبۂ فلسفہ کے صدر جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب تھے۔ انہوں نے قرآن حکیم کی زبان کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے حاضرین کو بتایا کہ قرآن مجید کی آیات دو قسم کی ہیں۔ ایک محکم دوسری متشابہ۔ مگر انہوں نے واضح کیا یہ تقسیم اضافی ہے۔ ایک خاص نقطۂ نظر سے قرآن مجید کی ہر آیت محکم ہے جبکہ ایک دوسرے زاویہ نگاہ سے قرآن مجید کی تمام آیات متشابہ ہیں۔ اس کے بعد قرآن اکیڈمی کے اعزازی ڈائریکٹر اور "حکمت قرآن" کے اعزازی مدیر اور پنجاب یونیورسٹی شعبہ فلسفہ ہی کے استاد جناب ڈاکٹر ابصار احمد صاحب نے اپنا محققانہ مقالہ بعنوان "قرآن کا تصورِ مذہب" پڑھ کر سنایا۔ اس مقالے میں موصوف نے سب سے پہلے لفظِ دین اور لفظِ مذہب کے شروع کے اطلاقات واضح کیے کہ دین کا لفظ اسلام کے لیے اور مذہب کا لفظ اولاً مختلف مسالک فقہ کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ مگر ہند میں اسلام کے لیے مذہب کا لفظ مستعمل ہوا۔ نیز انگریز نے RELIGION کا لفظ استعمال کیا۔ اس کے بعد آپ نے مذہب اور اسلام کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد "فلسفۂ مذہب اور دورِ جدید" کے موضوع پر خطاب کرنے کے لیے جناب ڈاکٹر سلمان رشید صاحب کو دعوت دی گئی۔ ڈاکٹر صاحب اصلاً ایک نفسیاتی امراض کے فزیشن تھے مگر انہوں نے اپنے شوق سے فلسفہ اور مذہب کو موضوعِ تحقیق بنایا اور اس میں ڈاکٹریٹ کیا۔ اسی دوران انہوں نے علامہ اقبال کے تصورِ خدا پر ایک بہت ہی محققانہ کتاب تحریر فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب ان دنوں پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے لہٰذا انہوں نے محاضرات میں شرکت کی دعوت بھی بصد شوق قبول فرمائی۔ انہوں نے بزبانِ انگریزی مفصل خطاب فرمایا۔

آخر میں صاحبِ صدر نے حاضرین سے خطاب کیا۔ انہوں نے بالخصوص حاضرین کے نظم و ضبط کی تعریف کی کہ انہوں نے بڑے تحمل کے ساتھ ڈاکٹر سلمان رشید صاحب کا انگریزی زبان میں خطاب سماعت کیا۔

تیسرا باقاعدہ اجلاس

محاضرات کا تیسرا باقاعدہ اجلاس مورخہ ۴ اپریل کو منعقد ہوا۔ اس کی صدارت ملک کے سابق چیف جسٹس جناب شیخ انوار الحق صاحب نے فرمائی۔ اس میں سب سے پہلے ریاض الحسن نوری صاحب نے "اسلام کا نظامِ عدل" کے موضوع پر بہت مفصل خطاب فرمایا۔

اس کے بعد چوہدری محمد رفیق صاحب نے اپنا مقالہ بعنوان "قرآن کی احکامی اور غیر احکامی آیات" پیش کیا۔ چوہدری صاحب نے فرمایا کہ قرآن کا اسلوب تو یہ ہے کہ وہ کسی حکم کو بیان کرتے ہوئے اس کی مشروعیت کی وجوہات اور حکمتیں ہی بیان نہیں کرتا بلکہ انسانی نفسیات کی کمزوریوں کا بھی تذکرہ کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ قرآن کی آیات کی اس طرح کی تقسیم ہرگز درست نہیں۔ قرونِ اولی کے مسلمان ہرگز یہ طرزِ عمل نہیں رکھتے تھے۔ اس کے بعد تو نوبت اب یہاں تک پہنچی ہے کہ صرف اپنے ہی مسلک کی چند کتابیں پڑھنے والا مفتی اور فقیہہ قرار پاتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کیا صرف تین صدیوں کے لیے ہی نازل ہوا تھا۔

اس کے بعد چوہدری صاحب نے کچھ متعین مثالیں پیش فرمائیں جن کو غیر حکمی قرار دے کر نظر انداز کیا گیا ہے مگر غور کرنے پر انہی آیات سے احکام نکالے جا سکتے ہیں۔ مثلاً

سورۃ قصص کی آیات ۲۶ تا ۲۸ میں حضرت شعیبؑ نے بظاہر صرف اپنی ایک بیٹی کی تجویز مانی مگر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں مزدور اور ملازم بھرتی کرتے وقت مندرجہ ذیل شرائط کا بجالانا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ ملازم قوی بھی ہو اور امین بھی۔ دوسرے یہ کہ مستاجر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ملازم سے اس کی طاقت سے بڑھ کر کام نہ لے اور تیسرے یہ کہ مستاجر اور اجیر کے درمیان ایسے معاہدے کا طے پانا ضروری ہے جو باہمی رضامندی کے ساتھ ہو۔ اور چوتھے

یہ کہ اس کا وقتِ محنت طے ہونا چاہیئے۔

اس کے بعد مولانا سید حامد میاں صاحب مدظلہ، کا مقالہ بعنوان "اسلام کا قانون شہادۃ" پڑھ کر سنایا گیا اور آخر میں صدر مجلس جسٹس (ریٹائرڈ) شیخ انوار الحق صاحب نے صدارتی کلمات ارشاد فرمائے۔ آپ نے عورت کی شہادت کے مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے ایک بہت عمدہ نکتہ یہ بیان کیا کہ شہادۃ دراصل حق نہیں بلکہ ذمہ داری ہے۔ بدقسمتی سے لوگ اسے حق سمجھتے ہیں۔ بلکہ اللہ نے اپنی حکمت کے تحت خواتین کو اس نازک ذمہ داری سے مستثنیٰ کیا ہے انہوں نے قائدِ اعظم کے حوالے سے اسلامی ریاست کے تصور کو واضح کیا، کہ پاکستان میں اسلام کی تمام اخلاقی اور معاشی اقدار کا نفاذ ہو گا اور یہ THEORATIC ریاست نہیں ہو گی بلکہ ایک نظریاتی اور اخلاقی ریاست ہو گی۔

ISLAMIZATION کا ذکر کرتے ہوئے جسٹس صاحب نے فرمایا کہ اس ضمن میں ایک رائے تو یہ ہے کہ ہر قانون کو قرآن و سنّت کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور دوسری رائے یہ کہ تمام قانون کو ختم کر کے قرآن و سنت کے مطابق فیصلے ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ میں عالم نہیں ہوں مگر رائے دینے کا حق رکھتا ہوں ہم قانون اور عدل کے ضمن میں جغرافیائی، معاشرتی اور تاریخی حالات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ وہ چیز جو قرآنی احکام سے متصادم ہے اسے تو بہرحال چھوڑنا ہے۔ ضروری بات یہ ہے کہ اس کی حکمت بھی دیکھی جائے۔ مثلاً SUCCESSION کا اصول اسلام میں نہیں ہے مگر حکم دیا گیا ہے کہ مشورہ کرو۔ اس سے الیکشن کی گنجائش نکالی جا سکتی ہے۔ اصل اصول یہ ہے کہ عدل و انصاف ہونا چاہیئے۔ خلیفہ اور غلام عدالت کے سامنے حاضر ہو سکتا ہے کوئی کلاس مستثنیٰ EXEMPT نہیں ہو سکتی۔ جہاں قرآن میں واضح احکامات نہیں ہیں۔ وہاں ہمیں اختیار حاصل ہے کہ وہاں ہم اجتہاد اور اجماع کے ذریعے اصول اور قوانین وضع کریں۔ آپ نے واضح کیا کہ جب تک انتظامیہ اور پولیس اور گواہوں کے معاملات کی اصلاح نہیں ہو گی اس وقت تک آپ مقدمے کو جج کے سامنے

پیش کریں یا قاضی کے حضور پیش کریں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آپ نے کہا کہ دو قسم کی عدالتیں ہرگز نہیں ہونی چاہئیں۔ مزید بر آں اسلامی نظامِ عدل میں اخلاقی اور روحانی تربیت کی جانب توجہ بھی ناگزیر ہے۔

پبلک لاء PUBLIC LAW اور پرسنل لاء PERSONAL LAW میں فرق کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ پبلک لاء کی ضرورت اور اس کا مقصد تو یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے اتحاد میں اضافہ ہو نہ کہ اختلاف بڑھیں۔ لہٰذا پاکستان کے حالات کے پیشِ نظر مزید اجتہاد کی ضرورت ہے بالخصوص یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ مختلف فقہوں میں اختلافات کی وجہ کیا ہے اور مختلف حالات میں کونسا اصول زیادہ کارگر ہے۔ مگر جو بھی PUBLIC LAW نافذ کیا جائے وہ متفقہ ہو۔ آپ نے مزید واضح کیا کہ پسند و ناپسند کی پرواہ کیے بغیر اسلام کے جن معاملات میں واضح احکام موجود ہوں ان کو تو لازماً اپنانا چاہیئے۔

آخر میں صاحبِ صدر نے سکولوں میں اخلاقی اقدار کی تعلیم پر زور دیا اور فرمایا کہ اگر ہم ایسا کریں تو انشاء اللہ پندرہ سال کے بعد اخلاقی اقدار کی پابند نسل میدان میں آجائے گی تو یہ قوانین زیادہ موثر ثابت ہوں گے۔

چوتھا باقاعدہ اجلاس

محاضرات کا چوتھا باقاعدہ اجلاس ۵ اپریل کو حسبِ سابق مغرب کے بعد منعقد ہُوا۔ صدارت مولانا محمد حنیف ندوی صاحب نے فرمائی۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے "نواب صدیق حسن خان صاحب کی خدمتِ قرآن" کے موضوع پر بہت ہی محققانہ مقالہ پڑھا۔ علی گڑھ سے مولانا محمد تقی امینی صاحب کا انتہائی علمی مقالہ بعنوان "احسن تقویم" برادرم حافظ عاکف سعید صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ علی گڑھ ہی سے تشریف لانے والے محترم ڈاکٹر قاری ایم رضوان اللہ صاحب نے "قرآن میں ناسخ و منسوخ کا مسئلہ" کے عنوان سے خطاب کیا۔

بعد ازاں استاد محترم حافظ احمد یار صاحب نے قرآنی ادب و ثقافت کے بعض پہلوؤں کو اپنے مخصوص و دلچسپ انداز میں بیان فرمایا اور مولانا محمد حنیف ندوی صاحب کے صدارتی خطبے پر اس مجلس کا اختتام ہُوا۔

آخری اجلاس

محاضراتِ قرآنی کا آخری اجلاس بعد نمازِ مغرب مورخہ چھ اپریل منعقد ہوا۔ آج بعد نمازِ عصر مرکزی انجمن خدام القرآن کا سالانہ اجلاسِ عام تھا۔ اس لیے حاضری قدرے زیادہ تھی۔ آج کے اجلاس کی صدارت انجمن کے صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے فرمائی۔ اس میں مولانا عبیداللہ انور صاحب مدظلہٗ کا محققانہ مقالہ بعنوان "مولانا عبیداللہ سندھی" ہمارے ساتھی قاضی ظفر الحق صاحب نے پڑھ کر سنایا اور "نظمِ جماعت اور امارتِ شرعیہ" کے عنوان سے مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب کا مقالہ حافظ عاکف سعید صاحب نے پڑھا۔ جس میں مولانا موصوف نے یہ واضح کیا کہ اس برصغیر میں بیعتِ جہاد کی بنیاد پر نظمِ جماعت قائم کرنے کا سہرا سید احمد بریلوی شہید کے سر ہے جن کی زوردار تحریک کی بازگشت ابھی تک برصغیر کے طول وعرض میں محسوس کی جا سکتی ہے۔ مولانا سعید الرحمٰن نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ بنگال کی فرائضی تحریک، تحریکِ شہیدین کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ بعد ازاں ۱۹۲۰ء میں اس بیعتِ جہاد اور امارتِ شرعیہ کی تجدید کی ایک اور کوشش ہوئی۔ جب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحؒ نے اس ارادے کا اظہار فرمایا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی جائے اور اس تحریک کا احیا کیا جائے جسے تحریکِ شہیدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مولانا علوی صاحب نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیرِ شریعت قرار دے کر ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ دیوبند کے بعض چوٹی کے علماء نے شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا احمد علی رحؒ کی تجدیدی مساعی کو بھی مولانا موصوف نے اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی قرار دیا۔ مولانا نے توجہ دلائی کہ آج ضرورت اسی بات کی ہے کہ بیعتِ جہاد کی بنیاد پر نظمِ جماعت قائم ہو۔ جو دین کے احیاء کے لیے کام کرے اور شہادۃ علی الناس کا فریضہ انجام دے۔

آخر میں صدرِ مجلس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے پیشِ نظر مقاصد اور منہج

عمل پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور شرکاءِ مجلس کو دعوت دی کہ وہ حسبِ صلاحیت و مقدرت دین کے کام میں ان سے تعاون کریں اور اپنی اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی کی فکر کریں۔ اسی صدارتی خطاب کے ساتھ ہی دوسرے سالانہ محاضراتِ قرآنی اختتام پذیر ہوئے۔

جیساکہ اعلان کیا گیا تھا ان محاضرات میں ہندوستان سے بعض اہلِ علم و فضل کی شرکت متوقع تھی لیکن ہندوستان سے صرف ڈاکٹر قاری ایم رضوان اللہ صاحب (علی گڑھ) تشریف لا سکے۔ بعض علماء اپنی بعض ہنگامی مصروفیات کی بنا پر تشریف نہ لا سکے۔ لیکن مولانا وحید الدین خان صاحب اپنی خواہش اور بھرپور کوشش کے باوجود پاکستان کے لیے ویزا حاصل نہ کر پائے۔ یہ ہم میں سے ہر سوچنے سمجھنے والے فرد کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ کیا ہمارا حکومتی نظام دین سے اتنا لاتعلق ہو چکا ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کو پاکستان کا ویزا دینے کے لیے تیار نہیں جو صرف اور صرف ایک دینی مقصد کے لیے پاکستان آنا چاہتا تھا۔ ذیل میں مولانا موصوف کا خط پیش ہے جو انہوں نے لندن سے انجمن کے صدر ڈاکٹر اسرار احمد کے نام تحریر کیا تھا۔ جس سے پاکستانی سفارتخانے اور حکومت کی بے حسی اور دین سے لاتعلقی عیاں ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

برادرِ محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

سلام مسنون!

یہ خط آپ کو لندن سے لکھ رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس زمانہ میں دہلی سے لندن پہنچنا آسان ہے مگر دہلی سے لاہور پہنچنا آسان نہیں۔ اس سال میری بہت خواہش تھی کہ خدام القرآن کے سالانہ اجتماع میں شرکت کروں۔ مگر اب بظاہر پہنچنا آسان نظر نہیں آتا۔ آپ کا دعوت نامہ ملنے کے بعد ۲ مارچ کو ویزا کی درخواست دہلی کے پاکستانی سفارت خانہ میں دے دی گئی تھی۔ اس کے بعد غیر جانبدار سربراہ کانفرنس میں شرکت کے لیے جناب صدر محمد ضیاء الحق صاحب دہلی آئے۔ وہ ایک روز دہلی کے پاکستانی سفارت خانہ گئے۔ وہاں مسلمانوں نے شکایت کی کہ ہم کو پاکستان کا

ویزا حاصل کرنے میں بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔ صدر پاکستان نے ہدایت جاری کی کہ آج کی تاریخ تک جتنی درخواستیں پینڈنگ میں ہیں ان سب کے ویزا جاری کر دیئے جائیں۔ چنانچہ پاکستانی سفارت خانہ کے عملہ نے ۲۴ گھنٹہ کام کیا اور تقریباً دو ہزار ویزا جاری کر دیئے۔ چونکہ انہیں دنوں ہماری درخواست بھی موجود تھی، ہم نے سمجھا کہ ہمارا ویزا بھی منظور ہو چکا ہو گا۔ مگر جب ہمارا آدمی سفارت خانہ میں گیا تو اسے بتایا گیا کہ آپ کی درخواست ابھی پینڈنگ میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ صدر صاحب کی ہدایت ان درخواستوں کے بارہ میں تھی جو اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے پاکستان جا رہے ہیں۔ باقی جو لوگ کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہے ہوں ان کے لیے اسلام آباد سے منظوری آنا ضروری ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نے اسلام آباد بذریعہ ٹیلکس آپ کی درخواست بھیج دی ہے۔ اور اب ریمائنڈر بھی روانہ کر دیا ہے۔ جواب آنے پر مطلع کریں گے۔ ۲۳ مارچ کو مجھے ایک پروگرام کے تحت لندن آنا تھا۔ مگر اس وقت تک پاکستانی سفارت خانہ سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ آخر ان کو ٹیلیفون کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ حسب پروگرام لندن جائیے۔ اگر اسلام آباد سے منظوری آ گئی تو ہم ٹیلکس کے ذریعہ لندن کے پاکستانی سفارت خانہ کو اطلاع کر دیں گے اور آپ وہاں سے ویزا لے لیں۔ مگر لندن میں بھی مجھے کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ اور اب میں یہاں سے باربیڈوز (BARBADOS) ہوتا ہوا دہلی واپس چلا جاؤں گا۔

لندن کے لیے میرے پاس پیشگی ویزا موجود نہیں تھا۔ مگر یہاں ہوائی اڈہ پر بمشکل پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ مجھے یہاں کا ویزا مل گیا۔ حالانکہ ان کو معلوم تھا کہ میرا سفر "کانفرنس" میں شرکت کے لیے ہے۔

یہ معلوم ہے کہ لاہور کی قرآنی کانفرنس خالص قرآنی کانفرنس تھی۔ اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ پاکستان کی اسلامی حکومت کو کیا صرف غیر اسلامی پارٹیوں ہی سے خطرہ نہیں بلکہ خود

(باقی ۲۶۵ پر)